منٹو کے ادبی و شخصی مضامین: موضوعاتی جائزہ

Literary and Personal Essays of Monto: Thematic analysis

ڈاکٹر کامران عباس کاظمی

صدر شعبہ اردو

بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر سائرہ ارشاد

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی بہاولپور

Manto's essays in Urdu essay writing are characterized by their unique and legendary style of expression, deep humor and different genres have their own identity with respect to the topics. These essays not only reveal Manto's concept of short story but also express his attitude to words various literary and journalistic figures. These essays are especially helpful in understanding his concept of short story writings.

اردو مضمون نگاری میں سعادت حسن منٹو کے مضامین اپنے منفرد اسلوب، افسانوی طرزِ اظہار، گہرے طنز اور مختلف النوع موضوعات کے حوالے سے اپنی الگ شناخت رکھتے ہیں۔ منٹو کی ادبی زندگی کا آغاز تراجم سے ہوا چنانچہ منٹو کی ابتدائی تحریروں میں وکٹر ہیوگو کے ناول ''سرگزشت اسیر'' اور گورکی کے افسانوں کے تراجم کا دیباچہ شامل ہیں۔ مؤخرالذکر دیباچہ بعدازاں کافی اضافوں کے ساتھ منٹو کے مضامین کے مجموعے میں بھی شامل ہے۔ ہمایوں کے روسی نمبر میں، جسے منٹو نے ہی مرتب کیا تھا، روسی ادیبوں پر منٹو نے مختصر تعارفی مضامین بھی لکھے تھے۔ وارث علوی اِن مضامین کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ان نگارشات کی اہمیت اَب تاریخی رہ گئی ہے۔ البتہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ ادب کے ایک پرشوق قاری کے بطون سے ایک مصنف کیسے تشکیل پا رہا ہے۔ ان مضامین کا انداز بڑی حد تک سوانحی، تاریخی اور تعارفی ہے۔ مغرب کے مصنفین پر لکھے گئے ہمارے اکثر مضامین کی طرح منٹو کے یہ مضامین بھی عالمانہ کم اور صحافیانہ زیادہ ہیں۔ ۱

منٹو کے مضامین کے عمومی موضوعات کو سیاسی، سماجی، ادبی، سوانحی، فکاہی اور تنقیدی مضامین میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ البتہ ان مضامین کی تیکنیکی تقسیم ہلکے پھلکے مضامین اور سنجیدہ مضامین پر مشتمل ہے۔ ہلکے پھلکے مضامین انشائے لطیف کے عمدہ نمونے ہیں اِن میں انشائی و فکاہی مضامین بھی شامل ہیں۔ ''تلخ ترش شیریں'' میں شامل بعض مضامین میں سے اکثر انشائیے کا آہنگ لیے ہوئے ہیں۔ منٹو کے سنجیدہ مضامین بھی بہت اہم

ہیں۔ مثلاً ادبی مضامین جن میں ان کا نظریہ ادب واضح طور پر مترشح ہوتا ہے۔ اسی طرح فلمی موضوعات پر ان کے مضامین سے منٹو کی فلم کی تیکنیک اور دیگر موضوعات پر گرفت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ سیاسی سماجی مضامین میں منٹو سماج کی بے اعتدالیوں، منافقتوں اور ریاکاریوں کا پردہ طنز کے تیروں سے چاک کرتے ہیں۔ منٹو کسی بھی چیز پر قلعی کر کے اُسے پیش کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ ''منٹو کے مضامین بھی اُن کی دوسری تخلیقات کی طرح زندگی کی اِن ہئیت کذائیوں کو پیش کرنے کا وسیلہ ہیں جو منٹو کے حقیقی چوکھٹے میں فٹ نہیں بیٹھ پاتے۔''۲

منٹو کے مضامین کی کل تعداد تقریباً ساٹھ (۶۰) بنتی ہے۔ ڈاکٹر بخاری نے یہ تعداد ۵۹ لکھی ہے۔۳ اُنھوں نے غالباً منٹو کی جو گیشوری کالج بمبئے کے طالب علموں کے سامنے پڑھی گئی تقریر کو شامل نہیں کیا۔ اس تقریر کا عنوان ''ادب جدید'' تھا۔ یہ مضمون ''منٹو کے مضامین'' اور افسانوں کے مجموعے ''لذتِ سنگ''، میں بھی شامل ہے جبکہ اسے دیباچے کے طور پر خود منٹو نے اپنے افسانوی مجموعے ''منٹو کے افسانے'' میں بھی شامل کیا تھا۔

منٹو کے مضامین کو بہ آسانی دو ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور ۱۹۴۷ء تک یعنی تقسیم سے قبل تک کا ہے اور دوسرا تقسیم کے بعد سے منٹو کی وفات تک کا ہے۔ ڈاکٹر علی ثنا بخاری بھی منٹو کی مضامین نگاری کو دو ادوار میں تقسیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اُن کی مضمون نگاری کا پہلا دور دسمبر ۱۹۳۴ء سے شروع ہوتا ہے جب اُن کا پہلا مضمون ''ہمایوں'' میں شائع ہوا تھا۔ یہ دور ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ منٹو کی مضمون نویسی کے دوسرے دور کا آغاز قیامِ پاکستان کے بعد ہوا اور اُن کی زندگی کے آخری ایام تک جاری رہا۔۴

منٹو کے ادبی مضامین دو طرح کے ہیں۔ ایسے مضامین جو کسی ادبی شخصیت پر لکھے گئے اور دوسرے عام ادبی موضوعات پر لکھے گئے مضامین۔ شخصیات میں میکسم گورگی، اقبال، غالب اور کارل مارکس پر لکھے گئے مضامین اہم ہیں۔ غالب پر لکھے گئے تینوں مضامین تمثیلی رنگ لیے ہیں۔ منٹو کو مرزا غالب کی شاعری اور زندگی سے از حد دلچسپی ہے۔ دونوں یعنی غالب اور منٹو کے ہاں انانیت پسندی، خودداری اور دگر گوں معاشی حالات مشترک اوصاف ہیں۔ دونوں کی طبیعتوں میں معاشی حالات کی تنگدستی کے باوجود خوش طبعی، خوش مزاجی، شوخی اور چلبلاہٹ ٹپکتی ہے۔ منٹو کے ہاں البتہ طنز کا عنصر گہرا اور تیکھا ہے۔ اُن کے مضامین میں علمی متانت اور سنجیدگی کا احساس ہوتا ہے۔ ''آگرہ میں مرزا نوشہ کی زندگی'' ایسا ہی ایک مضمون ہے جس میں مرزا غالب کی زندگی کے ابتدائی ایام کا خاکہ کھینچا گیا ہے۔ اس میں منٹو نے مرزا کی شگفتہ مزاجی اور شوخ طبیعت، فارغ البالی اور معاشی آسودگی کا تذکرہ کیا ہے۔ پورا مضمون غالب کی لااُبالی طبیعت کا آئینہ دار ہے۔ ہمایوں اشرف کا کہنا ہے ''طنز و مزاح کا رنگ ہلکا ہے اور سنجیدگی کا عنصر کچھ زیادہ ہے۔ تاہم ایک طنزِ ملیح پورے مضمون میں جاری و ساری ہے۔''۵ ''غالب اور سرکاری ملازمت'' میں غالب کی انانیت پسندی اور نئے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہ ہونے اور اپنی روایتی خودداری کی بدولت اپنی زندگی کو مزید مشکل بنانے پر ایک طنز ہے۔ طنز کی یہ سطح اس پوری تہذیب کو جو اُس وقت انگریز سامراج کے ذریعے پھیل رہی تھی، سمجھے بغیر سمجھ نہیں آ سکتی۔ منٹو نے غالب کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر مضامین لکھے ہیں۔ اُن کی زندگی کے ابتدائی ایام اور پھر غالب کی معاشی تنگ دستی کے زمانے میں ملنے والی کالج کی نوکری کا واقع اور اُن کی انا پرستی اور خودداری کو موضوع بنایا ہے۔ منٹو نے غالب کے مشہورِ زمانہ ''ڈومنی سے عشق''، کو بھی اپنی تخیل کی آنکھ سے دیکھا ہے۔ ''غالب اور چودھویں'' میں دلچسپ مکالموں کے ذریعہ غالب کی شگفتہ مزاجی اور خوش طبعی کا خاکہ کھینچا ہے۔

ادبی شخصیات پہ لکھے گئے مضامین میں میکسم گورکی پر لکھا گیا منٹو کا مضمون بہت اہم ہے۔ منٹو کا یہ مضمون اُن کے ابتدائی مضامین میں شمار ہوتا ہے۔ اس میں جذباتیت اور سطحی پن جو اس طرح کے ابتدائی مضامین میں ہو سکتا تھا، نہیں ہے۔ اس مضمون میں گورکی کے فکر و فن پر ایک مبسوط

نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہے۔ مضمون میں گورکی کے حالاتِ زندگی، انقلابِ روس میں اس کی شمولیت اور اُس کے فن کے روسی معاشرت پر اثرات کے حوالے سے جائزہ لیا گیا ہے۔ اس مضمون میں منٹو نے گورکی کی حقیقت پسندی کو تلاش کرنے اور اپنے قاری کو اس سے روشناس کرانے کی کوشش کی ہے اور گورکی کے فن کے مختلف پہلوؤں، ادوار اور روسی ادب پر اُس کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے آرٹ کی اہمیت اور اس کی کامیابی کا مقصد یوں واضح کیا ہے:

> گورکی کا فقید المثال اور پر اسرار فن اسی میں مضمر ہے کہ وہ اپنے قلم کی سیدھی سادی جنبشوں سے ہم پر دہقان کی جھونپڑی کا منظر، سرما کی خون منجمد کر دینے والی سردی اور گاؤں کی ٹھہرے پانی ایسی زندگی اور کھنڈروں میں اِنسانی ارواح کی کشمکش کی صحیح کیفیت طاری کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ آرٹ کا مقصد کامیابی ہو بھی کیا سکتا ہے۔٦

اس اقتباس سے خود منٹو کے اپنے نظریہ ادب کی ایک شکل ترتیب پا رہی ہے جو آگے چل کر 'ادب جدید' اور 'کسوٹی' میں زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ آغاز میں منٹو اشتراکی نظریات سے متاثر تھے اور خاص طور پر اُنھیں روسی ادیبوں نے بہت متاثر کیا۔ روسی اور بعد ازاں فرانسیسی ادب کے مطالعے نے خود منٹو کی تخلیقی زندگی پر دور رس اثرات مرتب کیے۔ ''سرخ انقلاب'' میں روس میں حکومتوں کے بدلنے اور لینن کی قیادت میں انقلاب روس کا احوال ہے۔ منٹو کا خیال ہے کہ اب یہ اشتمالی انقلاب روسیوں کی زندگی کو مزید بدل دے گا۔ منٹو کے درج بالا دونوں مضامین تنقیدی ہی نہیں تحقیقی بھی ہیں۔ میکسم گورکی پہ لکھتے ہوئے منٹو نے نہ صرف روسی ادب کے مختلف ادوار کا جائزہ لیا ہے بلکہ روس میں تشکیل پانے والے مختلف ادبی نظریات کا بھی احاطہ کیا ہے۔ اسی طرح ''سرخ انقلاب'' میں بھی منٹو نے انقلاب سے پہلے کی روسی تاریخ کو سلیقے سے کھنگالا ہے اور انقلاب کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ادب کو سراہا ہے۔ اسی طرح ''کسان، مزدور، سرمایہ دار اور زمیندار'' انقلاب روس سے قبل کی صورتحال کا عکاس ہے۔ منٹو نے ابتدا ہی ایسی کتابوں اور مضامین کے تراجم سے کی تھی جو انقلابی تصورات کے حامل تھے۔ اُن کے بعض طبع زاد مضامین سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ روسی انقلاب سے متاثر تھے اور ادب میں اشتراکی نظریات کے حامی تھے۔ اسی زمانے میں مغربی علوم وفنون نے ہندوستانی تہذیب و معاشرت اور فکر وشعور کو نیا زاویہ ء نظر دیا اور مختلف سیاسی، سماجی اور تمدنی تحریکوں نے پرانے اور فرسودہ خیالات بدلنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ادب، تہذیب وتمدن اور اقتصادی زندگی پر جن نظریات نے سب زیادہ اثر ڈالا وہ مارکسی نظریات تھے۔ منٹو مارکس سے بہت متاثر تھے۔ ''کارل مارکس'' ریڈیائی ڈرامے کے انداز میں لکھا گیا مضمون ہے۔ اس میں مارکس کی زندگی کی کٹھنائیوں کا تذکرہ مکالمے کے انداز میں کیا گیا ہے۔ منٹو مارکس کے نظریہ کو قابلِ عمل اور دنیا کے دکھوں کا مداوا سمجھتے ہیں۔ منٹو مارکس کو انسانیت کے لیے قابلِ احترام گردنتے ہیں اور اُسے ایسا انسان سمجھتے ہیں جس نے انسانیت کی فلاح کے لیے کام کیا۔ منٹو نے اس مضمون میں مارکس کے بچپن سے لے کر اُس کی وفات تک کے تمام ادوار کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ مارکس کے مختلف شہروں میں قیام، بالا دست طبقات کی چیرہ دستیوں اور حاکم و محکوم طبقات میں بڑھتی ہوئی تفریق نے مارکس کے ذہن پر کیا اثرات مرتب کیے اور اِن سے نمٹنے کے لیے وہ کیسے اشتراکی فلسفہ کی تدوین وترویج کرتا ہے، منٹو نے ان سب کا جائزہ بخوبی لیا ہے۔

میکسم گورکی، کارل مارکس، جون آف آرک اور غالب آخر منٹو نے ان ہی شخصیات کا انتخاب کیوں کیا؟ دراصل منٹو کو ملمع سازی قطعاً پسند نہیں۔ اُنہیں سماج کی اخلاقی اقدار میں موجود تضاد سے نفرت ہے۔ منٹو کے منتخب کردہ افراد بھی سماج کے تضادات کے سخت نقاد ہیں۔ طبقاتی تضاد کی کشمکش کو مارکس نے مہمیز لگائی۔ ایک اور اہم خصوصیت جو اِن شخصیات میں منٹو کو پسند تھی وہ ہے اُن کی انا پسندی۔ مثلاً مارکس کی عسرت و تنگ دستی کو

دیکھ کر کچھ لوگوں نے اُس کے لیے چندہ جمع کرنے کی مہم چلائی تو مارکس نے اسے سخت ناپسند کیا اور اس پر دکھ کا اظہار کیا۔ منٹو مارکس کے خیالات سے کافی متاثر تھے اور اس کا اثر تقریباً اُن کی تمام تحریروں پر موجود نظر آتا ہے۔

جون آف آرک بھی ان ہی معاشرتی تضادات کا شکار ہو جاتی ہے جہاں مذہب محض چند ہاتھوں میں کھلونا اور کچھ لوگوں کا آلہ کار ہوتا ہے اور وہ لوگ صدیوں سے فرسودہ مذہبی اخلاقیات کی حفاظت کا ذمہ لیے ہوتے ہیں۔ ''جون آف آرک کا مقدمہ'' بھی مکالماتی انداز میں لکھا گیا مضمون ہے۔ اس مضمون میں منٹو نے انقلاب سے قبل کے فرانس کی سیاسی سماجی زندگی کی عکاسی کی ہے۔ دراصل منٹو دو بڑی تہذیبوں یعنی روس اور فرانس کی قبل از انقلاب سماجی معاشرتی صورتحال کا جائزہ لیتے ہیں اور پھر اپنے حالات کو ان کے مثل قرار دیتے ہیں مگر سیاسی میدان میں منٹو کا خیال درست ہے کہ کوئی بھی شخص ایسا نہیں جو ان حالات سے فائدہ اٹھائے اور انقلاب کے آثار پیدا کر دے۔

منٹو سماج کی تہذیبی گھٹن کے سخت خلاف ہیں اور اُن کا خیال ہے کہ یہ سماجی گھٹن ہی زندگی کے تمام شعبوں کو جمود کا شکار کر دیتی ہے اور سماج کی زندگیوں میں تصنع کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ البتہ اس غیر منصفانہ نظام کو کیسے ختم کیا جائے؟ منٹو اس کا واضح جواب دینے کے بجائے خود کو غیر منصفانہ نظام معاشرت، انسانی ناقدری، مایوسی اور استحصال کی صورت حال کی عکاسی تک محدود رکھتے ہیں۔

شخصیات پر لکھے گئے مضامین میں ایک اہم مضمون ''یومِ اقبال پر'' ہے۔ یہ مضمون منٹو کے دوسرے دور مضمون نگاری میں لکھا گیا اور اُن کی اِقبال سے عقیدت کا غماز ہے۔ دراصل یہ تحریر منٹو نے یومِ اقبال کی پہلی نشست کی صدارت کرتے ہوئے پیش کی تھی۔ منٹو کو جلد ہی احساس ہو گیا تھا کہ اب بہت جلد اقبال کے کلام سے مرضی کے معانی اخذ کر لیے جائیں گے۔ منٹو مضمون کے آغاز میں ہی طنز کرتے دکھائی دیتے ہیں اور یوم اقبال کی صدارت کو اپنے لیے اعزاز بھی سمجھتے ہیں اور اپنی زندگی کا اقبال کی زندگی سے تقابل کے بعد نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ آج یوم اقبال منانے والوں نے اقبال کی زندگی میں ان کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا کہ لعن وطعن کے علاوہ اُنہیں الحاد اور کفر کے فتوؤں سے بھی دوچار ہونا پڑا تھا۔ منٹو نے اس مضمون میں بھی اپنے دیگر مضامین اور افسانوں کی طرح کسی مصلحت کو پیش نظر نہیں رکھا بلکہ حقیقت پسندی سے کام لیا ہے۔ چونکہ یہ مضمون ایک تقریب کے لیے تھا اس لیے اس کا انداز خطیبانہ ہے۔ پورے مضمون میں منٹو کا طنزیہ انداز غالب رہتا ہے:

> ایک کتب فروش نے مجھے ڈرتے ڈرتے ''بال جبریل'' دکھائی اور سب سے پہلے وہ نظم پڑھنے کے لیے کہا جس کا عنوان شاید فرمان خدا ہے۔ ہم دونوں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ بیک زبان ہو کر پڑھا
>
> اُٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو کاخ امرا کے در و دیوار ہلا دو۷

آخر وہ کون سا دھڑکا اور ڈر ہے کہ وہ منٹو کو خدا کا فرمان بھی نہیں پڑھنے دیتا۔ یہی وہ سماجی تضاد ہے کہ جسے منٹو طنز کا نشانہ بناتے ہیں اور اُن کا یہ خدشہ درست نکلا کہ بہت جلد اقبال کے ''قلندرانہ کلام پر چند خود غرض مجاوروں کا قبضہ'' ہو جاتا ہے اور یقیناً یہ مجاور یہ پسند نہیں کریں گے کہ اقبال عام لوگوں کو بھی سمجھ آئے اور وہ ریاست کی ہئیت حاکمہ کے لیے کوئی مسائل پیدا کر دیں۔ مگر منٹو کو یقین ہے ''اقبال نے خدا کے حضور دعا مانگی تھی، مرا نور بصیرت عام کر دے، یہ دعا جو ایک عام دردمند دل سے نکلی ضرور قبول ہو گی۔''۸

منٹو کے پہلے دورِ مضمون نگاری میں اُن کا ایک اہم مضمون ''مجھے بھی کچھ کہنا ہے''''منٹو کے مضامین'' میں شامل ہے۔ یہی مضمون ''سفید جھوٹ'' کے عنوان سے ''لذت سنگ'' میں بھی شامل ہے۔ ادب لطیف میں شائع ہونے والے منٹو کے افسانے ''کالی شلوار'' کو کچھ لوگوں نے فحش کہا

تھااور یہ مضمون اس افسانے کی مدافعت میں لکھا گیا تھا۔ منٹو کے افسانے ''کالی شلوار'' پر ایک مقدمہ بھی دائر ہوا تھا۔ اس مضمون کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں منٹو نے اپنے ہی افسانے کا خوبصورت تجزیہ کیا ہے۔ اس مضمون سے منٹو کی تنقیدی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ''کالی شلوار'' افسانے میں منٹو نے زندگی کے مختلف پہلوؤں میں سے ایک پہلو ''سلطانہ کا احترام محرم میں کالی شلوار پہننا'' کی تصویر کشی کی ہے۔ یہ افسانہ حقیقت نگاری کی اعلیٰ مثال ہے۔ منٹو نے طوائف کے ذریعے سے اپنے معاشرے کے جنسی رویوں، متضاد اور فرسودہ اخلاقی اقدار پر شدید طنز کیا ہے۔ 'سلطانہ' 'کالی شلوار' کا کلیدی کردار ہے۔ وہ دہلی میں طوائفوں کے لیے بنائے گئے مخصوص گھر میں رہتی ہے اور اُس گھر کے اخراجات خود اسے ہی پورے کرنے ہیں اس لیے اُسے قحبگی اختیار کرنا پڑتی ہے:

> وہ اگر بیاہی ہوتی تو اُسے یہ سب چیزیں مفت مل جاتیں۔ لیکن وہ بیاہی نہیں تھی۔ وہ ایک عورت تھی۔۔۔ اور جب عورت کو بجلی کے پیسے دینے پڑیں، گھر کا کرایہ ادا کرنا پڑے اور جس کے پلے خدا بخش سا آدمی پڑ جائے، جو خدا پر بھروسا رکھے اور فقیروں کے پیچھے مارا مارا پھرے تو ظاہر ہے کہ وہ ایسی عورت نہیں ہوگی جو ہم اپنے گھروں میں دیکھتے ہیں۔ ۹

معاشرے نے عورتوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر رکھا ہے ایک وہ جو بیاہی ہوئی عورتیں ہیں اور اُنھیں سب وہ سہولیات جن کے لیے سلطانہ کو جسم بیچنا پڑتا ہے، مفت مل جاتی ہیں اور دوسری طوائفیں ہیں جو سلطانہ کے قبیل سے متعلق ہیں۔ منٹو طوائف کو بھی سماج کا حصہ گردانتے ہیں اور اس مضمون میں وہ بار بار سماج کے دوہرے معیار اور تضادات پر طنز کرتے دکھائی دیتے ہیں اور مختلف دلائل سے طوائف کے وجود کو تسلیم کراتے ہیں۔ اُن کا لب ولہجہ موضوع کے مطابق تلخ ہے۔ منٹو اس مضمون میں بڑا اہم سوال اٹھاتے ہیں:

> جب ہر عورت اپنی مرضی سے ویشیا بن سکتی ہے اور ایک لائسنس لے کر جسم فروشی کر سکتی ہے جب یہ تجارت قانوناً جائز تسلیم کی جاتی ہے تو اس کے متعلق ہم کیوں بات چیت نہیں کر سکتے؟ اگر ویشیا کا ذکر فحش ہے تو اس کا وجود بھی فحش ہے۔ اگر اُس کا ذکر ممنوع ہے تو اُس کا پیشہ بھی ممنوع ہونا چاہیے۔ ویشیا کو مٹائیے۔ اس کا ذکر خود بخود مٹ جائے گا۔ ۱۰

منٹو نے اس مضمون میں نہ صرف یہ کہ اپنے افسانے کا تجزیہ کیا ہے اور اُسے فحش قرار دینے والوں کو غلط ثابت کیا ہے بلکہ اُنہوں نے فحاشی اور مرد عورت کے تنہائی کے تعلقات میں رونما ہونے والے واقعات کو شاعری میں خوبصورت بنا کر پیش کرنے پر بھی تنقید کی ہے۔ اُنہوں نے میر دردؔ اور مومنؔ کی مثنویوں کے حوالے سے اُنھیں قابلِ گرفت قرار دیا ہے اوران کا اپنے افسانے ''کالی شلوار'' سے تقابل کیا ہے:

> ایسی شاعری ''دماغی جلق'' ہے۔ لکھنے والوں اور پڑھنے والوں دونوں کے لیے میں اسے معیوب سمجھتا ہوں۔ میرے افسانے ''کالی شلوار'' میں ایسا کوئی عیب نہیں۔ میں نے اس میں کہیں بھی مرد اور عورت کے جنسی ملاپ کو لذیذ انداز میں بیان نہیں کیا۔ ۱۱

طوائف پر کہانی لکھتے ہوئے کبھی بھی منٹو کا مطمع نظر جنسی تلذذ نہیں رہا۔ یہی بات وہ اس مضمون میں بھی دہراتے ہیں اور نہ وہ طوائف سے ہمدردی پیدا کرنے کے خواہاں ہیں۔ طوائف کے موضوع پر اپنے دیگر مضامین میں بھی منٹو اُس عورت کو سماج سے قبول کروانا چاہتے ہیں جو اُس طوائف کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ طوائف ہونا تو اُس کا ایسے ہی پیشہ ہے جیسے ''کسی ٹائپسٹ سے پوچھا جائے کہ تم کیا کرتے ہو تو وہ یہی جواب دے گا ٹائپ کرتا ہوں۔'' ۱۲ اور جب سماج نے قانوناً ایک پیشے کی اجازت دے رکھی ہے تو اُس پہ بات کرنے، اُس کے مسائل کو اجاگر کرنے اور اُسے معاشرے کا حصہ قرار دینے پر اخلاقی اقدار کے محافظ سیخ پا کیوں ہوتے ہیں۔ اپنی مدافعت میں لکھے گئے اس مضمون میں منٹو نے نہ صرف اپنے نظریہ فن کی وضاحت کی ہے بلکہ فحاشی کی حدود کا تعین کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ منٹو کے اس مضمون کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ پہلی بار انہوں نے ایسے ادب پر جسے

فحش قرار دے دیا جاتا ہے، گفتگو کی ہے۔ منٹو کا یہ مضمون اُن کے ادبی تنقیدی مضامین کے ابتدائی مضامین میں شمار ہوتا ہے۔ اس مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ منٹو کا اردو ادب کا مطالعہ گہرا ہے اور اُنھوں نے اپنے سے قبل کے شاعروں ادیبوں کی تخلیقات کا بڑے غور سے مطالعہ کیا ہے۔ اس مضمون سے منٹو کی تنقیدی بصیرت اور ادب کے بارے میں اُن کے نظریات کا بھی واضح اظہار ہوتا ہے۔

منٹو کے دیگر ادبی مضامین میں ہندی اور اردو (مکالمہ)، دیہاتی بولیاں (دو مضمون)، ادب جدید، افسانہ نگار اور جنسی مسائل، کسوٹی اور میں افسانہ کیوں کر لکھتا ہوں، اہم ہیں۔ اِن مضامین میں "ہندی اور اردو" مکالمے کی صورت میں لکھا گیا مضمون ہے۔ اس مضمون میں منٹو کے زبان کے بارے نظریات سے آگاہی ہوتی ہے۔ منٹو دراصل ہندی اور اردو کو ایک ہی زبان سمجھتے ہیں جسے دو متحارب مذاہب کے ماننے والے علیحدہ علیحدہ ناموں سے پکارنے پر بضد ہیں۔ منٹو اپنی تنقیدی بصیرت کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں اور درست سمجھتے ہیں کہ "زبان بنائی نہیں جاتی خود بنتی ہے اور نہ انسانی کوششیں کسی زبان کو فنا کر سکتی ہیں۔"۱۳

منٹو کے پہلے دور مضمون نگاری میں ایک اہم مضمون "ادب جدید" ہے۔ لذت سنگ میں یہ مضمون افسانہ 'بو' کے مقدمے کی کارروائی سے پیشتر شامل ہے۔ جبکہ بطورِ دیباچہ یہ مضمون "منٹو کے افسانے" مجموعے کا بھی حصہ ہے۔ یہ مضمون بھی دراصل ایک تقریر ہے جو منٹو نے یکم جنوری ۱۹۴۴ء کو مجلس ادب جوگیشوری کالج بمبئی کے طلبہ کو پڑھ کو سنائی تھی۔ منٹو کے اپنے بیان کے مطابق "یہ تحریر بعد میں ادب جدید کے عنوان سے ادبِ لطیف کے زیرِ عتاب سالنامہ ۱۹۴۴ء میں میرے افسانے 'بو' کے ساتھ شائع ہوئی۔"۱۴ بقول ڈاکٹر علی ثنا بخاری:

اس مضمون میں منٹو نے زمانی بُعد، بدلتی اقدار، ترقی پذیر معاشرت اور فن کے حوالے سے قدیم اور جدید ادب میں نہ صرف حد فاصل قائم کی ہے بلکہ "جدید ادب" کی اصلاح کو واضح اور متناسب انداز میں بیان کیا ہے۔ ۱۵

جدید ادب کیا ہے؟ منٹو بڑے شگفتہ انداز میں اس اصطلاح کو عام فہم بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مضمون کا آغاز ہی منٹو اس ادبی تضاد سے کرتے ہیں جس کا شکار ہمارے ادیب آج بھی نظر آتے ہیں اور وہ بے معنی باتوں پر گھنٹوں بحث کرتے رہتے ہیں۔ منٹو اس مضمون میں بھی قدیم و جدید ادب کا تقابل کرتے ہوئے جدید ادب کو واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا درست ہے کہ ہر شخص اپنے نظریے کے مطابق ترقی پسند ہوتا ہے۔ ادب چونکہ اپنے عہد کا عکاس ہوتا ہے۔ قاری ایسے ادب کو ترجیح دے گا جو اس کے مسائل کو موضوع بنائے اس لیے نئے اور جدید لکھنے والے توجہ حاصل کریں گے۔ زندگی کے یہی نئے تجربے دراصل منٹو کا نظریہ ادب ہیں۔ منٹو ادب سے آئندہ کے میلانات کی رہنمائی کا کام نہیں لیتے بلکہ ان کے خیال کے مطابق ادب کو اپنے عہد کا تجربہ بیان کرنا چاہیے۔ اس کی وضاحت منٹو اپنے مضمون "کسوٹی" میں یوں کرتے ہیں:

> ادب درجہ حرارت ہے اپنے ملک کا اپنی قوم کا۔ وہ اس کی صحت اور علالت کی خبر دیتا رہتا ہے۔ پرانی الماری کے کسی خانے سے ہاتھ بڑھا کر کوئی گرد آلود کتاب اُٹھائیے۔ بیتے ہوئے زمانے کی نبض آپ کی انگلیوں کے نیچے دھڑکنے لگے گی۔ ۱۶

منٹو ادب کو ترقی پسند اور غیر ترقی پسند میں تقسیم کر کے دیکھنے کے روادار نہیں ہیں۔ البتہ وہ ادب کے غیر مقصدی ہونے کو مستحسن نہیں گردانتے اور ایسے ادب کو جس میں شاعر اپنے اصیل مرغ کی وفات پر بھی نوحہ لکھ دے، ذہنی عیاشی قرار دیتے ہیں جبکہ:

آج کا شاعر اپنی جوانا مرگی کے نوحے لکھتا ہے، افسانہ نویس ان مردوں اور عورتوں کی کہانیاں لکھتا ہے جو جنوں اور پریوں سے کہیں زیادہ دلچسپ ہیں۔ وہ عورت کے چہرے پر سبزے یا خط کے آغاز کو بہت ہی مکروہ اور خلافِ فطرت سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی اُس کو اُس کی اصلی شکل ہی میں دیکھیں۔ ۱۷

منٹو کا نظریہ ادب اُن کے دو دیگر مضامین ''کسوٹی'' اور ''افسانہ نگار اور جنسی مسائل'' میں زیادہ واضح ہے۔ یہ دونوں مضامین ''لذت سنگ'' کا حصہ ہیں۔ ''کسوٹی'' میں منٹو نے بدلتی ہوئی اقدار کے ساتھ بدلتے ہوئے ادب اور ادب کو کھرا یا کھوٹا قرار دینے والے پیمانوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ منٹو کا عہد شدید سیاسی نظریاتی کشمکش کا عہد تھا۔ ترقی پسند تحریک کا قیام عمل میں آچکا تھا اور اُنھوں نے 'ادب کیسا ہونا چاہیے' کے حوالے سے ادیبوں کے لیے ایک ہدایت نامہ مرتب کیا ہوا تھا۔ منٹو اسی تضاد پر طنز کرتے ہیں کہ اگر ایک طبقہ ادب کو ترقی پسند قرار دیتا ہے تو دوسرا اُسی ادب کو تنزل کا آئینہ دار کہہ دیتا ہے۔ گویا ہر ایک فرد یا جماعت کا ادب کو پرکھنے کا ایک اپنا معیار ہے اور ادب کو محض ادب سمجھ کر پرکھنے کا رواج نہیں رہا۔ منٹو فن کو انسانی تعصبات سے بالاتر ہو کر دیکھنے کے خواہشمند ہیں۔ کوئی بھی حقیقت جب افسانے کا قالب پہنے گی تو وہ افسانوی حقیقت بن جائے گی ''جس پر فن کار کے فکر و تخیل اور آرٹ کی حُسن آفرینی کا رنگ چڑھا ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے زندگی کی خالص اور برہنہ حقیقت کی شکل میں دیکھنا مناسب تنقیدی رویہ نہیں ہے۔''۱۸ فن کے بارے میں منٹو کا رویہ دانشمندانہ ہے۔ منٹو انسانوں کے مابین کسی تفریق کے قائل نہیں ہیں۔ وہ ادب پرکھنے کے لیے قائم کسوٹیوں کو خاطر میں لاتے ہیں نہ انسانوں کی شناخت کے لیے مذہب یا دھرم کو کسوٹی قرار دیتے ہیں۔ منٹو کی تنقیدی بصیرت قابل داد ہے۔ وہ اِنسانی فطرت کی گہرائیوں میں جھانکتے ہیں۔ اُن کا موضوع اِنسان کی ذات اور اُس کے جذبات کی دنیا ہے۔ منٹو رجعت پسندی، اخلاقی تنگ نظری، مذہبی کٹرپن، فرقہ پرستی اور معاشی استحصال کے سخت خلاف ہیں اور وہ انسان کو محض سیاسی اور اقتصادی گروہ بندی میں بانٹ کر نہیں دیکھتے۔ بلکہ ''وہ انسان کو اس کی کلیت میں فطرت اور کائنات کے تناظر میں دیکھتا ہے اور اُس کی نفسیاتی اور جبلی گہرائیاں کھنگالتا ہے۔''۱۹ اِنسانی تاریخ کیسی ہی بربادیوں سے عبارت ہو انسان نے پھر اسی ملبہ سے زندگی کی ابتدا کی ہے۔ فن کار نے اس میں دوبارہ رنگ آمیزی کی ہے۔ منٹو بجا طور پر درست سمجھتے ہیں کہ انسانی زندگی کا مرکزہ مرد اور عورت کے تعلقات ہیں یا انسان کی بھوک ہے اور ادب بھی ان ہی دو سوالوں کے جواب میں سرگرداں ہے:

کچھ بھی ہو لیکن یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ دنیا کا ادب صرف ان دو رشتوں ہی سے متعلق ہے۔۔۔ الہامی کتابیں بھی جن کو آسمانی ادب کہنا چاہیے روٹی اور پیٹ، عورت اور مرد کے تذکروں سے خالی نہیں۔ ۲۰

عورت اور مرد کے جس تعلق کو منٹو لازمی خیال کرتے ہیں اس میں جنسی ضرورت شامل ہے کہ یہ اِنسان کا فطری تقاضا ہے۔ منٹو کا عہد سیاسی انتشار اور معاشی افراتفری کا عہد ہے کہ جس میں سماجی و اخلاقی اقدار ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھیں۔ سیاسی معاملات کے ساتھ ساتھ معاشی اقدار کی ناہمواریوں کے باعث پیدا ہونے والی اُلجھنیں اور پریشانیاں وہ پوری شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ اُس عہد کے مخصوص حالات نے ادب میں بھی بنیادی تبدیلیاں پیدا کیں اور افسانہ نویسوں نے اُن موضوعات کو بھی افسانے میں برتا جنھیں عام طور پر معاشرہ ممنوع خیال کرتا تھا۔ منٹو کا تو بطورِ خاص پسندیدہ موضوع 'جنس' ہے لیکن منٹو کے ہاں جنسی اشتعال یا جنسی ترغیب کے افسانے نہیں ہیں۔

برصغیر پر مغربی اثرات وجہ بنے یا خود یہاں کے ادب کی بدلتے تقاضوں کے پیشِ نظر ضروریات تھیں کہ جنسی مسائل کا ذکر افسانوں میں اکثر ہونے لگا۔ منٹو اور عصمت پر تو جنسی افسانہ نگاری کا لیبل بھی چسپاں کر دیا گیا۔ منٹو نے انسانی فطرت کے اسی اہم مسئلے 'جنس' کو اپنے مضمون ''افسانہ نگار اور جنسی مسائل'' میں موضوع بحث بنایا ہے۔ ان کا کہنا ہے:

دنیا کی کوئی بھی شے چاہے وہ حقیر ہی کیوں نہ ہو مسائل پیدا کر سکتی ہے۔ لیکن دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ یعنی تمام مسئلوں کا باپ اس وقت پیدا ہوا تھا جب آدم نے بھوک محسوس کی تھی اور اُس سے چھوٹا مگر دلچسپ مسئلہ اس وقت پردۂ ظہور پر آیا تھا جب دنیا کے اس سب سے پہلے مرد کی دنیا کی سب سے پہلی عورت سے ملاقات ہوئی تھی۔ ۲۱

منٹو جسمانی بھوک اور جنسی بھوک کو ہی دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے پیشتر واقعات کا ذمہ دار گردانتے ہیں۔ منٹو کا خیال ہے کہ ادب کے موضوعات کبھی بھی نئے نہیں ہوتے وہ تاریخ میں پہلے سے موجود ہوتے ہیں اور روایت کے سہارے ہی ہم تک پہنچتے ہیں ''آج کے نئے مسائل بھی گزری ہوئی کل کے پرانے مسائل سے بنیادی طور پر مختلف نہیں جو آج کی برائیاں ہیں گزری ہوئی کل ہی نے اِن کے بیج بوئے تھے۔'' ۲۲ اس مضمون کی اہم بات یہ ہے کہ جہاں منٹو ادب کے منصب پر بات کرتے ہیں وہیں وہ ادیب کی ذمہ داریوں کا بھی تعین کرتے ہیں:

ہم لکھنے والے پیغمبر نہیں۔ ہم ایک ہی چیز کو، ایک مسئلے کو مختلف حالات میں مختلف زاویوں سے دیکھتے ہیں اور جو کچھ ہماری سمجھ میں آتا ہے دنیا کے سامنے پیش کر دیتے ہیں اور کبھی مجبور نہیں کرتے کہ وہ اسے قبول ہی کرے۔ ۲۳

منٹو کبھی بھی اور کہیں بھی انسان سے مایوس نہیں ہوتے۔ اُنھیں انسان کی جبلت میں موجود خیر کی قوتوں پر بھروسا ہے۔ منٹو کا خیال ہے کہ ملک سماجی اور نظریاتی سطح پر انتشار کا شکار ہے۔ جہاں کبھی ''مشرقی تہذیب کی چولی کے بند کھولے جاتے ہیں، کبھی بند کیے جاتے ہیں۔ مغربی تہذیب کے چہرے کا غازہ کبھی ہٹایا جاتا ہے کبھی لگایا جاتا ہے۔'' ۲۴ جب تک یہ تضاد دور نہیں کیا جاتا سماج میں اس دورنگی کی کیفیت برقرار رہے گی۔ عورت اور مرد کا تعلق ایسا فطری ہے کہ انسانوں میں اور تو ہر طرح کی تقسیم کی جاسکتی ہے مگر یہ تعلق تقسیم نہیں کیا جاسکتا اور منٹو اس تعلق کے درمیان سماج کے پیدا کردہ فاصلے پر طنز کرتے ہیں۔ منٹو نے اس مضمون میں بالخصوص اور اپنے دیگر ادبی مضامین میں بالعموم اپنے نظریۂ ادب کی وضاحت کی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ افسانہ نگار کا کام محض مطالعہ اور مشاہدہ نہیں، انتخاب بھی ہے اور منٹو خود انتخاب کے معاملے میں بہت زیرک شخص ہیں۔ منٹو کے کردار اپنے منہ پر نقلی چہرے چڑھا کر نہیں آتے بلکہ وہ تو جو ہیں اُس کی نمائش کرتے ہیں تاکہ دیکھنے والے اُن کے جسم کے خوشنما خطوط کے ساتھ ساتھ وہ ناسور بھی دیکھ سکیں جنھیں عام حالات میں کراہت کے خوف سے کوئی نہیں دیکھتا۔

دو (۲) مضمون منٹو کے مضامین میں ایسے ہیں جن میں وہ اپنے تخلیقی عمل اور سماج کے ساتھ اپنے نظریاتی تضاد کا کھل کر اظہار کرتے ہیں۔ ''اوپر نیچے اور درمیان'' میں شامل پہلا مضمون بعنوان ''پس منظر'' ایک مکالمے کی صورت میں ہے۔ جس میں منٹو سماج کے رویے پر طنز کرتے ہوئے خود اپنی ادبی اہمیت جتلاتے ہیں۔ اپنے تخلیقی عمل کی وضاحت میں اُن کا خیال ہے کہ ''میں افسانہ نہیں لکھتا، حقیقت یہ ہے کہ افسانہ مجھے لکھتا ہے۔'' ۲۵ (اردو ادب میں ''لکھت لکھتی ہیں لکھاری نہیں لکھتا'' کا نقادہ بیچنے سے بہت پہلے منٹو یہ تصور پیش کر چکے تھے۔) اسی مضمون میں پاکستان میں ادیبوں کی معاشی صورتحال اور اُس کے ذمہ داران پر ایک طنز کی کیفیت بھی ہے۔ افسانہ لکھنا منٹو کی معاشی ضرورت بھی ہوتا تھا البتہ افسانہ نہ لکھے جانے کی بے چینی کو اُنہوں نے ظریفانہ انداز میں پیش کیا ہے اور ذہنی کوفت کو مختلف طریقوں سے دور کرنے کی کوششوں کا ذکر کیا ہے۔ اس مضمون میں منٹو کا مزاحیہ اور ظریفانہ انداز بھی بہت خوبصورت ہے۔ منٹو کی طبع جدت طراز ہے اور وہ ہر بات میں غیر روایتی انداز اپناتے ہیں۔ منٹو کو اپنے تخلیقی عمل کے لیے کوئی خاص اہتمام نہیں کرنا پڑتا تھا بلکہ ڈرامہ تو وہ براہِ راست ٹائپ رائٹر پر ہی لکھتے تھے۔

منٹو کے دو مضمون ''دیہاتی بولیاں'' منٹو کے مضامین میں شامل ہیں۔ منٹو کو دیہاتی بولیوں اور لوک گیتوں سے بہت شغف تھا۔ اس کے علاوہ اُنھیں ہیر وارث شاہ سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ ان بولیوں کو اکٹھا کرنے میں بھی منٹو کے پیشِ نظر یہی بات تھی کہ اِن میں تصنع اور ملمع کاری نہیں ہے۔ منٹو

نے ان بولیوں میں عشق کی دھیمی آگ، ہجر کے معاملات، وصل کی کوملتا محسوس کی ہے۔ منٹو نے جو بولیاں ان مضامین میں اکٹھی کی ہیں اُن کی سادگی اور پرکاری پنجاب کی دیہاتی زندگی کی آئینہ دار ہے۔ سیدھے سادے الفاظ اور دلنشین پیرایۂ بیان اور پُر اثر و پر خلوص جذبات کے حامل ہونے کی وجہ سے یہ سیدھی سننے والے کے دِل میں گھر کرتی ہیں۔ عشق کے کچے پکے جذبات، دوستی کا پر خلوص جذبہ، ایثار، انتظار کی کسک ان بولیوں کا موضوع ہیں۔ اِن مضامین میں منٹو کوئی بولی لکھنے سے قبل اُس بولی کا پس منظر بیان کرتے ہیں۔ یہاں وہ اپنی افسانہ نگاری کے فن سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور جزئیات کو بڑی خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں۔ منٹو نے کبھی پنجابی افسانہ نہیں لکھا تاہم اِن بولیوں سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ منٹو پنجابی ادب کا نہایت اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ منٹو مناظرِ فطرت کے بہت قریب ہیں اور اِن مضامین میں پنجاب کے دیہاتوں کا منظر بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ منٹو کی خواہش تھی کہ وہ پنجاب کے دیہاتوں میں گھوم پھر کر اِن بولیوں اور لوک گیتوں کو یکجا کریں مگر موت انہیں اس خواہش کی تکمیل سے قبل ہی چھین لے گئی۔

منٹو کے ادبی تنقیدی مضامین میں نہ صرف یہ کہ منٹو کا نظریہ ادب مترشح ہوتا ہے بلکہ انہوں نے ادب میں پائے جانے والے سیاسی، معاشرتی اور معاشی تضادات کو ابھارنے اور ان پر طنز کرنے میں بھی بخل نہیں کیا۔ "مجھے شکایت ہے" مضمون میں انہوں نے برصغیر میں ادب اور ادیبوں کی حالتِ زار اور ادب سے فائدہ اٹھانے والے ادبی جریدوں کے مدیران اور مالکان پر طنز کیا ہے۔ منٹو ان لوگوں سے بجا طور پر سخت نالاں ہیں جو ادب کی خدمت کے نام پر ماہانہ، پندرہ روزہ یا روزانہ پرچہ جاری کرتے ہیں اور اس سے نفع کماتے ہیں مگر اُس میں لکھنے والے ادیبوں کو معاوضہ دینے سے کتراتے ہیں۔ منٹو نے اس مضمون میں خالصتاً ادیبوں کے مسائل کو اجاگر کیا ہے۔ ادب کے تمام شعبوں سے منسلک ہر فرد سے منٹو نے گلہ کیا ہے۔ استحصالی نظام اور استحصال کرنے والے افراد کو بے نقاب کرنے کا کام منٹو نے بخوبی کیا ہے۔ کسی بھی زبان میں وہاں کے ادب کی ترقی نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ ذہن جو ادب تخلیق کرتے ہیں اُن کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی اور نہ لکھنے والوں کی کوئی قدر کی جاتی ہے۔ مثلاً مالکان جرائد اپنے مدیروں کو نہایت معمولی مشاہرہ دیں گے اور تخلیق کار کو تو کچھ بھی نہیں دیا جاتا۔ وہ ایسے پرچوں کو بند کر دینا چاہتے ہیں جو ادیبوں کی تخلیقات پر پھلتے پھولتے ہیں اور اُنہیں اُن کی تخلیقات کا معاوضہ دینے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ ہم ایک ایسے عہد اور ایسے سماج میں رہ رہے ہیں جہاں ادب کی وقعت نہیں رہی جبکہ اہمیت ان مالکان کو حاصل ہے جن کی بنیادی غرض ذاتی مفاد کا حصول ہے۔ منٹو کے بقول یہ کام خود ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کا ہے کہ وہ اپنی اہمیت معاشرے سے تسلیم کروائیں اُنھیں اپنے قلم کی اہمیت اور طاقت کا احساس ہو گا تو وہ اپنے قلم سے روزی کمانے کے قابل ہوں گے اور جب ادب کی اہمیت کا سماج کو احساس ہو گا تو ادیب اعلیٰ ادب تخلیق کر سکیں گے۔ اسی طرح جب تک ادیب کے حالات نہیں بدلیں گے وہ اعلیٰ تخلیق بھی پیش نہیں کر سکے گا۔

مختلف شخصیات پر لکھے گئے مضامین سے یہ احساس ہوتا ہے کہ منٹو کے قلم میں سوانح لکھنے کی بھی کسی قدر اہلیت موجود تھی۔ اپنی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں انہوں نے دو تفصیلی مضامین میں اہم معلومات فراہم کیں ہیں ان میں سے ایک "میری شادی" ہے۔ دوسرا مضمون "کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غم گسار ہوتا" اُن کی زندگی کے آخری ایام میں لکھا گیا تھا۔ "میری شادی" جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے منٹو نے اپنی شادی کے بارے میں لکھا ہے۔ منٹو اپنی شادی کو بھی ایک حادثہ قرار دیتے ہیں۔ اس مضمون میں منٹو نے اپنے معاشی اور خاندانی حالات کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ منٹو کی طبع میں جھوٹ اور منافقت کا دخل نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے اپنے سسرال کو اپنی زندگی اور عادات کے متعلق سب کچھ صاف صاف بتا دیا حتیٰ کہ منٹو نے اپنی شراب پینے کی عادت کا بھی اُنھیں بتا دیا منٹو کی یہی صاف گوئی اور سادگی، صفیہ بیگم کے اہل خانہ کو بہت پسند آئی۔ منٹو کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ یہ رشتہ قبول کر لیں گے مگر صفیہ بیگم کے گھر والوں نے نہ صرف رشتہ قبول کر لیا بلکہ منٹو کی والدہ نے جلد ہی بات بھی پکی کر دی اور شادی کی تاریخ بھی طے کر دی۔ منٹو کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے حالات کو بڑھا چڑھا کر پیش نہیں کرتے بلکہ جو واقعہ جیسے رونما ہوتا ہے اسے

اُس کی روح کے مطابق پیش کر دیتے ہیں۔ نکاح اور پھر رخصتی کے وقت اپنی تنگدستی، اپنی طبیعت کا لااُبالی پن وغیرہ کا ذکر وہ ضرور کرتے ہیں۔ منٹو کے معاشی حالات بہت خراب تھے ساتھ ہی ابھی کوئی ایسا سماجی مرتبہ بھی نہیں بنا تھا۔ لیکن اُن کی صاف گوئی، بیباکی اور راست بازی پر کوئی شبہ نہیں ہے ۔اپنی زندگی کے کچھ ابتدائی واقعات اور اپنی شادی کے متعلق اہم معلومات سے مزین اس مضمون میں منٹو کا انداز بیان سادہ اور سنجیدہ ہے۔ جو تیکھا پن اُن کی باقی تحریروں میں ہے وہ اس میں مفقود ہے۔ اس کی وجہ اس مضمون کا سوانح کے قریب ہونا ہے۔ منٹو نے اپنی خود نوشت سوانح باقاعدہ طور پر تو نہیں لکھی البتہ "میری شادی" مضمون کے علاوہ اپنا ایک خاکہ بھی بعنوان "منٹو" لکھا ہے اور اس میں اپنے حالات زندگی بڑے دلچسپ پیرائے میں بیان کیے ہیں۔

جس طرح منٹو کے افسانوں میں موضوعات کا تنوع ہے ایسے ہی ان کے مضامین بھی کئی مختلف موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں اور یہ اس بات کا مظہر ہیں کہ منٹو زندگی کی ہمہ رنگی سے پوری طرح باخبر تھے اور اُس کا اظہار اپنے تخلیقی فن کے ساتھ ساتھ تجزیاتی و تنقیدی پہلوؤں سے بھی کرتے ہیں۔ منٹو کے مضامین کے اسلوب کا نمایاں وصف طنز و مزاح کا استعمال ہے۔ طنز و مزاح اپنی افادیت اور نوعیت کے لحاظ سے ایک مشکل اور پر آزمائش فن ہے۔ طنز و مزاح کے اجزا گو کہ مختلف ہیں مگر اُن میں ایک باہمی رشتہ موجود ہے۔ منٹو کے تنقیدی مضامین چاہے وہ ادب کے حوالے سے ہوں یا فلم اور دیگر ذرائع ابلاغ کے حوالے سے منٹو کے تنقیدی شعور کا خوبصورت حوالہ ہیں۔ منٹو کے مضامین کے اسلوب کی نمایاں خصوصیات میں طنز و مزاح، ایجاز و اختصار، شگفتگی، برجستگی، جذبہ و احساس کی ترجمانی، مقصدیت کی رو، تصنع اور پر آسائش انداز بیان سے اجتناب، سادگی و سلاست، جزئیات نگاری، افسانوی تکنیک کا استعمال، بعض جگہوں پر تحریف نگاری، روزمرہ اور محاورات کا برجستہ استعمال، غیر ضروری طوالت سے گریز، اختصار، غیر جانبدارانہ اندازِ فکر اور ظرافت نمایاں ہیں۔ منطقیت، استدلال، موضوع پر گرفت، رواں اور سلیس نثر، روزمرہ کی بول چال کے جملے، کسی مخصوص نظریاتی گروہ کی ترجمانی سے گریز اور سادہ اور صاف زبان منٹو کے اسلوب کی واضح پہچان ہیں۔ منٹو کے مضامین میں بھی "آورد" کے بجائے "آمد" کا احساس ہوتا ہے۔ اُن کے مضامین میں جملوں کے درمیان تخلیقی ربط، جذبہ و احساس کا تخلیقی اظہار اس امر کا پتہ دیتے ہیں کہ اُنھوں نے افسانوی تکنیک کا اپنے مضامین میں بھرپور استفادہ کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ وارث علوی، منٹو :ایک مطالعہ، وجے پبلشرز، گولا مارکیٹ دریا گنج دہلی، ۱۹۹۷ء، ص ۹

۲۔ ہمایوں اشرف، منٹو کے مضامین، مشمولہ: آئندہ، کراچی جلد ۱۱ شمارہ ۴۲ جون ۲۰۰۶ء، ہاشمی ٹریڈنگ کراچی، ص ۴۰

۳۔ علی ثنا بخاری، ڈاکٹر، سعادت حسن منٹو (تحقیق)، منٹو اکیڈمی لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۲۱۸

۴۔ ایضاً، ص ۲۱۸

۵۔ ہمایوں اشرف، منٹو کے مضامین، مشمولہ: آئندہ، کراچی جلد ۱۱ شمارہ ۴۲ جون ۲۰۰۶ء، ہاشمی ٹریڈنگ کراچی، ص ۴۲

۶۔ منٹو، سعادت حسن، منٹو نما (کلیات)، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۴۳۱

۷۔ ایضاً، ص ۴۳۲

۸۔ ایضاً، ص ۴۳۳

۹۔ ایضاً، ص ۴۳۳

۱۰۔ ایضاً، ص ۴۳۷

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۴۷

۱۲۔ ایضاً، ص ۴۳۷

۱۳۔ ایضاً، ص ۵۶۰

۱۴۔ منٹو، سعادت حسن،لذت سنگ، نیاادارہ لاہور، طبع سوم، س ن، ص ۱۲

۱۵۔ علی ثنا بخاری، ڈاکٹر،سعادت حسن منٹو (تحقیق)، منٹو اکیڈمی لاہور،۲۰۰۶ء، ص ۲۲۲

۱۶۔ منٹو، سعادت حسن،لذت سنگ، نیاادارہ لاہور، طبع دوم، س ن، ص ۵۲۱

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۷

۱۸۔ وارث علوی،منٹو ایک مطالعہ،وجے پبلشرز، گولا مارکیٹ دریا گنج دہلی،۱۹۹۷ء، ص ۱۷

۱۹۔ ایضاً، ص ۱۸

۲۰۔ منٹو، سعادت حسن،لذت سنگ، نیاادارہ لاہور، طبع دوم، س ن، ص ۱۱۸

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۱۵

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۱۷

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۱۸

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۲۱

۲۵۔ منٹو، سعادت حسن،اوپر نیچے اور درمیان، گوشہ ادب لاہور، طبع سوم، ۱۹۸۴ء، ص ۲۱۸

کتابیات

۱۔ علی ثنا بخاری، ڈاکٹر،سعادت حسن منٹو (تحقیق)، منٹو اکیڈمی لاہور،۲۰۰۶ء

۲۔ منٹو، سعادت حسن،لذت سنگ، نیاادارہ لاہور، طبع دوم، س ن

۳۔ منٹو، سعادت حسن،منٹو نما (کلیات)،سنگ میل پبلیکیشنز لاہور،۲۰۰۳ء

۴۔ منٹو، سعادت حسن،لذت سنگ، نیاادارہ لاہور، طبع سوم، س ن

۵۔ وارث علوی،منٹو :ایک مطالعہ،وجے پبلشرز، گولا مارکیٹ دریا گنج دہلی،۱۹۹۷ء

۶۔ ہمایوں اشرف، منٹو کے مضامین، مشمولہ:آئندہ، کراچی جلد ۱۱ شمارہ ۴۲ جون ۲۰۰۶ء، ہاشمی ٹریڈنگ کراچی